شیخ رشید رضا کے مذہبی اور سیاسی افکار

(ڈاکٹر محمد راشد ندوی)

(۲)

وہ انقلاب ناکام ہوا، لیکن وہ ناکامی وقتی تھی۔ کبھی وقتی ناکامی مستقبل کی بڑی کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے مصر پر اقلیتوں کی حفاظت کے نام پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اس طرح مصر سیاست کے ایک نئے موڑ پر آیا جو اس کے لیے ہر لحاظ سے بڑا خطرناک تھا۔ کیونکہ جو عوام جبر کسی نسل کے حکومت کے خلاف تحریک چلا رہے تھے اور عدل و انصاف، مساوات، جمہوریت کا مطالبہ کر رہے تھے، آج وہ غیر ملکی حکومت کے غلام بن گئے۔ شیخ محمد عبدہ جو عرابی تحریک میں کافی پیش پیش تھے انھیں بھی بغاوت کے الزام میں مصر سے جلاوطن کیا گیا۔ قدرت کا ہر کام کسی مصلحت سے ہوتا ہے۔ کون جانتا تھا کہ چند سال پہلے جمال الدین الافغانی مصر سے نکال کر ہندوستان بھیج دیئے گئے۔ اب وہ ایک ایسے ملک میں اپنے عزیز شاگرد سے ملتے ہیں جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ ہے فرانس شیخ عبدہ مصر سے جلاوطن ہونے کے بعد فرانس گئے اور پیرس میں دو بچھڑے ہوئے استاد و شاگرد ملے۔ دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھ کر بڑی ڈھارس ہوئی۔ اور دونوں نے بیٹھ کر مسلمانوں کے مسائل کو از سر نو سوچنا شروع کیا۔ اور پھیلے ہوئے سامراج کے خلاف مضبوط مستحکم مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔ اور اپنی آواز اور اپنے دل کی دھڑکن ایک رسالہ کی شکل میں

پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ رسالہ عربی زبان میں العروۃ الوثقیٰ کے نام سے جاری ہوا۔ جس کو استاد شاگرد لیل ونہار کی مساعی کے بعد وقت پر منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوئے۔ العروۃ الوثقیٰ میں دونوں مصلحین نے اپنے افکار ونظریات کو جس انداز میں پیش کرنا شروع کیا، وہ عربی میں صحافت ہی نہیں بلکہ عربی زبان کے لیے ایک معجزہ ثابت ہوئی جس میں جادو کا اثر تھا اور دنیا کے ہر گوشہ میں اس کے شمارے پہونچتے، لوگ پڑھتے اور سر دھنتے۔ ملک شام میں اس کے پڑھنے والوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ کیونکہ اس علاقہ میں بھی افغانی اور عبدہ کے ہزاروں عشاق تھے۔ انھیں عشاق میں رشید رضا کے والد محترم بھی تھے جو بڑی پابندی سے رسالہ کو حاصل کرتے اور اس کے ایک ایک کو پڑھتے۔ چنانچہ العروۃ الوثقیٰ قلموں کی بستی میں بھی اس طرح پڑھا جاتا جس طرح طرابلس اور دمشق میں۔ رشید رضا کو جب العروۃ الوثقیٰ کے شمارے ہاتھ آئے تو انہیں ایسا لگا کہ ایک کھوئی ہوئی دولت ہاتھ آئی اور علم کی ایک نئی راہ کا انہیں سراغ ملا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

"احیاء العلوم کے بعد جس چیز نے میرے اندر امنگ، حوصلہ، زندگی اور علم کی روشنی عطا کی وہ ہے العروۃ الوثقیٰ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد پڑ رہا ہے کہ میرے گھر قلموں میں بہت سے وہ مصری حضرات پناہ گزین تھے جنھیں ۱۸۸۲ء کے انقلاب میں بغاوت کے الزام میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ جس شام العروۃ الوثقیٰ کا پہلا شمارہ پہونچا تو لوگوں کے لیے ایک نادر تحفہ تھا۔ ہمارے مہمانوں میں سے ایک مہمان جو شیخ محمد عبدالجوار القایاتی ہیں۔ انہوں نے چراغ کی روشنی میں بلند آواز سے اس کو پڑھنا شروع کیا۔ ان کے پڑھنے کا انداز ایسا تھا گویا وہ تقریر کر رہے ہیں پڑھتے وقت وہ اس کے جملے پر رکتے اور ان کے اندر جو تاثر پیدا ہوتا اس کا اظہار وہ اپنے آواز کے زیر وبم سے کرتے۔ اس طرح انہوں نے شروع سے آخر تک اس کو پڑھ ڈالا مجھے یاد ہے کہ

میں اس کے بہت سے مطالب کو نہیں سمجھ رہا تھا۔ اور میں طرابلس میں ابھی ثانویہ کے دوسرے سال کا طالب علم تھا۔ جوں جوں میری سمجھ بڑھتی گئی۔ میں اس اعتبار سے العروۃ کے شماروں کو پڑھتا اور اپنے مستقبل کا خاکہ بنانے کے لیے اس سے مدد حاصل کرتا دوسری جگہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ "العروۃ سے میرا لگاؤ اس قدر بڑھا کہ اس کے شماروں کی تلاش میں میں سرگرداں رہتا۔ اور جو شمارہ میرے پاس نہیں ہوتا اس کا سراغ لگاتا اور وہاں جاکر اس کو اپنے ہاتھ سے نقل کرتا۔ العروۃ کے شماروں نے اندر کیا کیفیت پیدا کی اس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ مجھے بجلی کا کرنٹ لگا اور میرا سارا جسم ہل اٹھا اور اس کے اندر زندگی و جراءت پیدا ہو گئی۔ اور مجھے ایک حالت سے دوسری حالت میں کھینچ دیا۔ میں یہ بات بھی کہہ سکتا ہوں اور جس کو میں نے دوسروں سے بھی سنا ہے کہ عربی زبان میں نہ اس وقت اور نہ صدیوں پہلے ایسی تحریر وجود میں آئی جس نے دلوں میں اتنی حرارت اور ذہن کو ایسی روشنی عطا کی ہو۔ اور نہ فصاحت و بلاغت کے ایسے نمونے ہاتھ آئے"

یہ حقیقت ہے کہ العروۃ میں شیخین کا قلب اور عقل دونوں کام کر رہے تھے اسی لیے اس میں جہاں حرارت اور گرمی محسوس ہوتی ہے وہیں اس میں روشنی بھی دکھائی دیتی ہے۔

شیخ رشید رضا اس طرح ذہنی طور پر طرابلس کے ماحول سے نکل کر پورے ملک شام کے ماحول میں آئے، اس کے بعد مصر اور مصر کے بعد فرانس، اسی طرح ان کا ذہن افق کے دائرے میں جس طرح وسیع ہوتا گیا اسی طرح انھیں دنیا کے مسلمانوں کے حالات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ دلچسپی بھی پیدا ہونے لگی۔ اب اس نوجوان کو طرابلس کی سرزمین ایسی محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ قفس ہے ہر لمحہ اس کا دل بے چین رہتا کہ وہ یہاں سے پرواز کر جائے اور ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جائے

جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو امت مسلمہ کے مسائل کے لیے وقف کر دیا ہے اور
اس کی راہ میں مصائب و مناعب کو راحت تصور کرے۔

رشید رضا العروۃ سے واقفیت کے بعد اپنے کو عملی طور پر مضبوط کرتے رہے۔
چونکہ ہر اصلاحی کام کے لیے خواہ وہ سیاسی ہو یا اجتماعی دینی ہو یا علمی جب تک
مصلح علوم و فنون سے پوری طرح لیس نہ ہو، کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح انہوں
نے علمی مطالعہ کے ساتھ ساتھ عبادات کی طرف بھی کافی توجہ دی۔ کیونکہ ان کا عقیدہ
تھا کہ جب تک مصلح اور عالم کے اندر خدا کا خوف اور اس کی محبت پوری طرح سے
جاگزیں نہ ہو۔ وہ اخلاص کی دولت سے محروم رہے گا۔ اور اگر کوئی مصلح
اخلاص کی دولت سے محروم ہے، اس کو دنیا کے تمام وسائل کیوں نہ نصیب ہوں
وہ کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس طرح قلموں کا نوجوان ہر اعتبار سے اپنے
کو آنے والے دن کے لیے تیار کر رہا تھا۔

العروۃ میں سامراجیوں کے خلاف جہاں مقالات کا سلسلہ شائع ہوتا وہیں
مسلمانوں کی زبوں حالی اور اس کے اسباب پر بھرپور مضامین ہوتے اور دولت
عثمانیہ کے خلاف بھی کھل کر تنقید ہوتی۔ کیونکہ شیخین کا عقیدہ تھا کہ اسلامی ملکوں میں
سیاسی اور سماجی زبوں حالی کی ذمہ داری دولت عثمانیہ ہی پر ہے کیونکہ یہ سب
ممالک اس کے ماتحت ہیں۔ العروۃ کا جو انداز تھا اس کا دیر تک باقی رہنا مشکل
تھا کیونکہ ایک طرف سامراجی طاقتوں کو اس سے خطرہ لاحق ہو رہا تھا اور دوسری
طرف دولت عثمانیہ کے حکام بھی اس سے ناراض تھے۔ کیونکہ ان تنقیدوں کا سلسلہ
جاری تھا اور وہ اس کو کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ العروۃ کے
خلاف جہاں انگریزوں کا ہاتھ تھا وہیں دولت عثمانیہ بھی اس کو ختم کرنے کے ہر
حربے طریقے استعمال کر رہی تھی۔ چنانچہ سامراجی طاقتوں نے اپنے مقبوضہ

علاقوں میں اس کے داخلہ پر پابندی عائد کردی۔ اس طرح دولت عثمانیہ کے ماتحت علاقوں میں بھی اس کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ جہاں جہاں اس کے شمارے پائے جاتے دولت عثمانیہ کے حکام چھاپہ مار کر ان پر قبضہ کر لیتے اور کبھی کبھی ان لوگوں تک کو گرفتار کر لیتے جن کے یہاں العروۃ کے شماروں کا شبہ ہوتا۔ اس طرح دنیائے اسلام و عرب کو اس سے جو نئی روشنی حاصل ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی اور استاد و شاگرد پھر خود کو بے بس پا کر نئی راہ تلاش کرنے لگے۔

شیخ محمد عبدہ العروۃ کے بند ہونے کے بعد بیروت تشریف لائے اور افغانی کو عثمانی حکام نے سازشوں کے ذریعہ قسطنطنیہ بلا کر نظر بند کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد نظر بندی کی حالت میں یہ شعلۂ جوالا بجھ گیا۔ اور اس کے شاگرد نے بیروت میں اپنا علمی مشن جاری رکھا۔

رشید رضا کو عبدہ کے افکار اور ان کی علمی کاوشیں بڑی آسانی سے دستیاب ہوتی رہیں۔ اور وہ ذہنی طور پر اب شیخ عبدہ کے قریب ہوتے گئے ۱۸۸۹ء میں جب عبدہ کو مصر واپس جانے کی اجازت ہوئی تو وہ مصر واپس چلے آئے اور انہوں نے وہاں اپنا مشن نئے انداز میں شروع کیا۔ رشید رضا کا تعلق عبدہ سے برقرار رہا اور ان کی نگاہ بجائے شام کے مصر ہی کی طرف رہی۔ کیونکہ مصر دولت عثمانیہ کی دسترس سے باہر تھا اور وہاں دوسرے عرب ممالک کے مقابلہ میں تقریر و تحریر کی آزادی تھی۔ اور وہ مفکرین و مصلحین جن کے لیے شام کی سرزمین تنگ ہو گئی تھی مجبور ہو کر مصر میں پناہ گزین تھے۔ انھیں مفکرین و مصلحین میں عبدالرحمٰن الکواکبی عبدالقادر المغربی اور کرد علی شامل ہیں۔ رشید رضا جس نہج پر اپنا علمی اور اصلاحی مشن شام میں چلانا چاہتے تھے وہ یہاں ناممکن تھا اور دوسرے جب دولت عثمانیہ کے حکام کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ انھیں عبدہ اور افغانی سے غیر معمولی لگاؤ ہے

اور ان کی تحریروں اور تقریروں کے گرویدہ ہیں' ان کے افکار و نظریات کے مبلغ ہیں تو انہیں ہر قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور طرابلس سے ہجرت کی راہیں تلاش کرنے لگے۔ اور یہ طے کیا کہ مصر ہی جا کر پناہ لیں۔ اور روحانی مربی عبدہ کی آغوش میں خود کو ڈال دیں۔ اور ان کی سرپرستی اور نگرانی میں اپنے سیاسی' مذہبی اور سماجی کام شروع کریں۔ رشید رضا نے اپنے اس ارادہ کا اظہار اپنے والد محترم سے کیا تو انہوں نے اس ارادہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے خوشی خوشی انہیں مصر جانے کی اجازت دیدی۔ رشید رضا کو اپنے والد کے اجازت نامہ سے جو مسرت ہوئی اس کا انہوں نے اپنی ذاتی ڈائری میں تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنا ارادہ بیروت اور طرابلس کے مختلف دوستوں پر بھی ظاہر کیا تو سب نے ان کے اس حوصلے کی داد دی۔ ان کے مخلص ترین دوست شکیب ارسلان نے اپنے دوست اور ساتھی کے ارادہ اور حوصلہ کا ذکر بڑے اچھے اور پیارے انداز میں اپنی مشہور تصنیف الشیخ رشید رضا و اخوۃ اربعین سنۃ میں کیا ہے رشید رضا پر دولت عثمانیہ کے حکام کی گہری نظر تھی اور وہ ان کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا شام کی حدود سے نکلنا بھی مشکل تھا۔ لیکن خدا جب اپنے کسی بندے سے کوئی اہم کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لیے ہر طرح آسانیاں فراہم کر دیتا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رشید رضا کے بعض ایسے مخلص احباب جن کے حکام سے روابط تھے' بڑی آسانی سے انہیں شام کی سرزمین سے نکلنے کی سبیلیں نکال دیں۔ اس طرح ۱۸۹۸ء میں شام سے بندرگاہ جہاز اسکندریہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسکندریہ پہنچ کر انہوں نے اطمینان و سکون کی سانس لی۔ وہ وہاں سے کچھ روز قیام کے بعد قاہرہ روانہ ہو گئے۔ جہاں سے شیخ عبدہ نے اپنی اصلاحی مہم جاری رکھی تھی۔ مگر سب سے پہلے رشید رضا' عبدہ سے ملاقات کے لیے بے چین ہوئے۔

چنانچہ وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ ان کی قیام گاہ پہ گئے اور اپنے محبوب استاد کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ رشید رضا نے عبدہ کی اس ملاقات کا ذکر اپنی سوانح میں بڑے عاشقانہ اور والہانہ انداز میں کیا ہے اس طرح قدرت نے عبدہ کو ایک ایسا شاگرد عطا کیا جو صحیح معنوں میں ان کا جانشین ہو سکا۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ شیخ عبدہ کے مربی اور استاذ کا تعلق بھی مصر سے نہیں تھا، اس طرح ان کے ہونے والے جانشین کا تعلق بھی سرزمین مصر سے نہیں تھا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ارواح زمان ومکان کی حدود سے بالا تر ہوتی ہیں اور وہ اپنی مناسبت سے اپنا رفیق اور ہمدم تلاش کرلیتی ہے شاید یہ حدیث ان الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف اختلاف: ان پر صحیح صادق آتی ہے۔

رشید رضا اپنے ذوق وشوق کے مطابق مصر پہنچے۔ وہ سرزمین شام سے امن وسکون اور تفریح کی خاطر نہیں آئے تھے بلکہ امت مسلمہ کی زبوں حالی سے پریشان ہو کر اس کی اصلاح کا جو جذبہ لے کر آئے تھے۔ اس لیے اس راہ میں جو بھی محنتیں مشقتیں جھیلنی پڑتیں ان کو خوشی خوشی جھیلتے۔ مصر میں رہ کر جہاں ان کو تھوڑی سی آزادی تو ضرور تھی لیکن یہ بھی احساس تھا کہ وہ اصلاً مصری نہیں ہیں اس لیے انہیں اپنے کام کے منصوبوں میں قدم پھونک پھونک کر چلنا تھا۔ رشید رضا کی زندگی کے مطالعہ سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ۱۸۹۸ء تک اپنے کو علمی طور پر کام کے لیے تیار کرلیا تھا۔ اور ان کے مطالعہ میں وسعت اور ذہن میں بڑی حد تک پختگی آگئی تھی اس لیے انہوں نے اسی سال ۱۸۹۸ء میں ایک عربی جریدہ نکالنے کا منصوبہ بنایا اور اس کا ذکر انہوں نے اپنے مربی واستاذ سے کیا تو انہیں سنئے آنے والے شاگرد کی اس جرأت اور حوصلہ پہ حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے ان سے کہا کہ مصر میں اس وقت علم وادب کا بازار گرم ہے

اور ہر میدان میں لوگ طبع آزمائی کر رہے ہیں اس لیے مجھے شبہ ہے کہ تمہارا یہ منصوبہ بھاں فی الحال کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ لیکن رشید رضا کو پورا اطمینان تھا اس لیے انہوں نے اپنے استاذ سے بڑے وثوق کے ساتھ کہا کہ جس جریدہ کے نکالنے کا میں نے ارادہ کیا ہے وہ نکلے گا اور کامیاب ہوگا۔ اس کا دائرہ مصر ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کا دائرہ تمام بلاد عربیہ سے لے کر بلاد اسلامیہ تک پھیلا ہوگا۔ استاذ کو اپنے شاگرد کی اس ہمت سے خوشی ہوئی اور انھوں نے یہ رسالہ نکالنے کی اجازت دے دی اور انہیں کے مشورے سے اس کا نام المنار تجویز کیا گیا۔ اس طرح استاذ و شاگرد کے باہمی اتفاق سے اس جریدہ کا پہلا شمارہ ۱۸۹۶ء میں منظر عام پر آیا اور مصر والوں نے شامی نسل کے نوجوان کے قلم کے جوہر پہلے ہی شمارہ میں دیکھے۔ رشید رضا کے اطمینان و وثوق کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ رسالہ جس شان اور جس حوصلہ سے نکلا نکلتا رہا، اور جب تک وہ زندہ رہے یہ رسالہ ان کی زندگی سے وابستہ رہا۔ اس لیے یہ کہا جائے کہ رشید رضا نے جو کچھ سوچا اور غور کیا اور جو کچھ پیش کیا' المنار کے صفحات میں وہ موجود ہے تو غلط نہ ہوگا۔

رشید رضا کیا چاہتے تھے اگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے اور افغان وعبدہ کے منصوبہ میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے صرف فرق اتنا ہے کہ ان دونوں کو اتنے مواقع نصیب نہیں ہوئے جتنے کہ رشید رضا کو ہوئے۔ اور سیاسی اعتبار سے یہ بہت سے ایسے نازک مرحلوں سے گذرے جن سے شیخین نہیں گذرے تھے۔ اور ہر مرحلہ میں انہوں نے ذہنی پختگی اور بالغ نظری کا ثبوت دیا۔

رشید رضا کے سامنے تین اہم مسئلے تھے۔ (۱) مسلمانوں کے ذہن و فکر کی اصلاح۔ (۲) اسلامی ملکوں کے حکام کی اصلاح۔ (۳) سامراجی طاقتوں کی سازشوں کی نشاندہی۔ اور ان کے خلاف دنیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنا۔

درحقیقت یہی تین مسئلے مسلمانوں کے بنیادی مسئلے تھے۔ جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے۔ یہ سب سے اہم ہے۔ کیونکہ مسلمان جب تک ذہنی فکری طور پر بلند نہیں ہوگا اس وقت تک اس کے اٹھانے کی ساری مساعی ناکام ثابت ہوں گی۔ رشید رضا کا یہ عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے صدیوں کے سیاسی اور اجتماعی زوال سے ان کے عقیدۂ توحید میں فتور آگیا ہے اس لیے صحیح عقیدہ کی جگہ رسم و رواج نے لے لی ہے۔ اور ان کے سوچنے، غور کرنے کے طریقے دوسری قوموں کی طرح ہو گئے ہیں۔ عقیدۂ توحید میں فتور آنے کے سبب سے زیادہ اثر یہ ہوا کہ ان کی ہمت اور حوصلے پست ہو گئے اور توکل کا موہوم تصور ان کے ذہن میں بیٹھ گیا۔ اور آہستہ آہستہ ان کے ذہن سے پستی اور غلامی کا تصور بھی ختم ہو گیا۔ ملوک اور حکام کی خوشامد اور ان کے حکم کی ہر تعمیل ان کا عقیدہ بن گیا۔ چنانچہ عوام اور حکام کے درمیان جو صحیح رشتہ ہونا چاہیے وہ ختم ہونے لگا۔ اس پستی کے نتیجہ میں عبادات کی صحیح روح بھی ختم ہوتی گئی جس کا ڈھانچہ تو موجود رہا لیکن اس کا اثر زندگیوں سے مفقود ہوتا گیا۔ عام مسلمانوں کی اس پستی سے دو گروہوں نے پوری طرح فائدہ اٹھایا، ایک گروہ تو حکام کا تھا جو عوام کو انعام کی طرح چراتا اور ان کی محنتوں کو اپنی عیاشیوں میں خرچ کرتا۔ ان کی اس بے راہ روی پر کوئی آواز نہ اٹھاتا۔ دوسرا گروہ علماء سوء اور بدطینت صوفیاء کا تھا جنہوں نے عقیدۂ توحید کے مرکز سے ہٹا کر لوگوں کو اوہام و خرافات کا پرستار بنا دیا تھا اور ایک قبلہ کے بجائے ہر جگہ ان کے لیے نئے نئے قبلے بنا دیے تھے۔ عوام کی اس ذہنی پستی کے خلاف کوئی بھی تحریک اٹھتی تو سب سے پہلے ہر علاقہ کے حکام کے کان کھڑے ہو جاتے اور اس طرح علماء و صوفیاء کا وہ طبقہ جو عوام کی پستی سے فائدہ اٹھا کر اپنے گھروں کو عیش کدہ بنائے ہوئے تھے، وہ بھی ہر اصلاحی تحریک کے

خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ اور طرح طرح کے فتوے صادر کرتے۔ چنانچہ اس اصلاحی تحریک کی بنیاد نجد میں محمد بن عبدالوہاب اور ان کے بعد افغانی اور عبدہ نے اٹھائی تھی جس کو رشید رضا نے چالیس سال تک بغیر کسی توقف کے جاری رکھا۔

رشید رضا کا کہنا تھا کہ عوام کی اس پستی کا جس کی پاسبانی حکام اور طبقۂ علماء وصوفیاء کر رہے تھے سب سے خراب نتیجہ یہ ہوگا کہ جب علم و عرفان کی روشنی پھیلے گی تو عوام کی اکثریت کو اپنا عقیدہ تاریک نظر آجائے گا۔ اور وہ بڑی آسانی سے اسلام کے دائرہ سے نکل کر کفر و الحاد کے دائرہ میں آجائیں گے۔ چنانچہ سامراجی طاقتوں کا یہ منصوبہ تھا کہ اسلامی ملکوں کے عوام میں جب عقیدۂ توکل باقی و جاری رہے گا تو ان پر آسانی سے اپنا جال پھینکا جا سکے گا۔ رشید نے المنار کے شروع کے شمارے سے لے کر آخری شمارہ تک اسطرح کے مضامین اور موضوعات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس میں انہوں نے کسی گروہ کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ اپنے منصوبہ کے ماتحت وہ بڑی ہمت کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ شیخ محمد عبدہ نے مصر میں جب اس طرح کے مضامین لکھے تو ان کے خلاف بھی عوام اور علماء دونوں کی طرف سے مخالفتیں شروع ہوئیں اور حکام وقت نے عوام اور علماء کا ساتھ دیا ۱۹۰۵ء میں شیخ عبدہ کا انتقال ہوگیا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ مصر میں جہاں عبدہ کے بڑے بڑے شاگرد تھے ان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس نے عبدہ کی اس اصلاحی مہم کو جاری رکھا ہو۔ قدرت کو یہ کام رشید رضا سے تنہا ہی کرانا تھا۔

(جاری)